© rasailojaraid.com

مسئلۂ زبان اور ہندوستان

شرعی نقطۂ نظر سے

جناب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

(۲)

اردو میں ہندی الفاظ ومحاورات کے عمل دخل کی کوشش

آج سعی کی جارہی ہے کہ اس میں ہندی کے الفاظ ومحاورات بھر کر موجودہ اردو کا جون بھی بدلدیا جائے اور ساتھ ہی لقب بھی اردو کے بجائے ہندوستانی کردیا جائے تاکہ آج کی اردو باقی نہ رہے بلکہ ایک نئی اردو ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ آج کی اردو کی روح اسلامیت ہے اور نئی اردو کی روح ہندیت ہوگی جس کا نام ہندوستانی ہوگا۔ یعنی ہندوستانی کے پردہ میں سنسکرت محاورہ کا غلبہ اور ہندی کلچر کی ترقی ہوگا۔ چنانچہ ہندوستانی جس کلمہ کی تفسیر ہے وہ بقول مسٹر گاندھی کے "ہندی" ہے۔ انھوں نے اس نئی زبان کا نام ہی رکھا ہے "ہندی اتوا ہندوستانی" (ہندی اینی ہندوستانی) اتوا کے معنی یعنی کے ہیں گویا ہندی کی تفسیر ہے ہندوستانی پس ہندوستانی کا مفسر اور متن ان کے اقرار سے ہندی نکلتا ہے جس کے صاف معنی یہی ہیں کہ اردو کو ہندی بنانے کی علانیہ سعی کی جارہی ہے چنانچہ گاندھی جی ہریجن اخبار میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"صرف ہندی ہندوستان کی قومی زبان ہے اور دیوناگری رسم الخط ہی اس کا رسم الخط ہونا چاہیئے۔"

(علیگڈھ میگزین ۳۲۵ بابتہ ماہ جولائی ۱۹۳۹ء)

مسٹر سمپورنانند سابق وزیر تعلیم یوپی جیسے ذمہ دار ایک جلسہ میں کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہندی جسکو ہندوستانی بھی کہا جاتا ہے ہمارے جنوبی ہندوستان کے رہنے والے آسانی سے سیکھ سکیں تو ضروری ہے کہ ہندی زبان میں ہم کافی تعداد میں سنسکرت الفاظ کا استعمال کریں" (علیگڈھ میگزین مذکور ص۳۲۸)

ہندوستانی کے چند دلچسپ نمونے

یہ ہندوستانی جو ملک کی مشترک زبان بنائی جارہی ہے اس نئے جون کے بعد کس روپ میں آئے گی؟ اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

"ہمارے پرستاؤ کی کھلی اوڑائی گئی پرنتو اب سمے آگیا ہے کہ ہندوستان اپنے جاگیہ کا نرنے کرے"

(مسٹر جے پرکاش نرائن جنرل سکریٹری کانگریس سوشلسٹ پارٹی)

"بھارتیہ کانگریس سوشلسٹ پارٹی کی کاری کے پرکھ سے تھا کانگریس کارشٹی کے بھوت پوروسدے"

(مہادیو نرائن ٹنڈن پردھان منتری کانگریس سوشلسٹ پارٹی آگرہ)

اس سبھا کا پیتو مجھے دینے کا کارن جب میں ڈھونڈھتا ہوں تو وہ بھی پرتیت ہوتے ہیں ایک میرا سلیقہ کار نہ ہونا اور اسلئے کم سے کم دولش کا کارن ہوتا تھا دوسرا میرا ہندوستان کی سب بھاشاؤں کا پریم (مسٹر گاندھی) (علیگڈھ میگزین مذکورہ ص۳۲۹ منقولہ از کتاب "ہندوستانی" مصنفہ دین محمد)

یہ وہی اردو ہے جو ہندی کے نام سے ملک کی قومی زبان بنائی جارہی ہے اور بمصلحت جس کی تفسیر سرِدست ہندوستانی سے کی جارہی ہے۔ گویا اردو کی نوک پلک کاٹ کر اسے ایسے حقائق کا حامل بنایا جارہا ہے جن کا چولہ پھنکر یہ بدقسمت ملک آگے بڑھنے کے بجائے تین چار ہزار سال پیچھے لوٹ جائے۔

اگر یہی اردو جس میں سے وہ عربی محاورے اور عربیت شعار کلمات نکالکر جن کے نمونے پہلے عرض کئے جاچکے ہیں اس میں یہ ہندی محاورے اور ہندی وضع قطع کے الفاظ داخل کرکے مسلم قومیت کے لئے تیار کی جارہی ہے تو کیا یہ فطری نتیجہ مسلمانوں کے سامنے بہت جلد نہ آجائیگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ان کے ذہنوں میں سے وہ اسلامی روح تو مضمحل ہوجائے جسے یہ عربی الفاظ سنبھالے ہوئے تھے اور وہ ہندی روح سرایت کرجائے جو ان نئے الفاظ کے راستے سے ان میں داخل ہوگی۔ اس کا حاصل وہی دورخی اور نفاق ہوگا کہ مسلمان نہ پورے اِدھر ہی کے رہیں نہ اُدھر ہی کے ہوں اور ثانیاً یہ ہوگا کہ وہ آخر کار انہی جدید الفاظ کے معانی کے ہمراز اور ہمنوا ہوکر اپنے اس مسلم لقب تک سے بیزار ہوجائیں۔

مسلم قومیت پر اس اردونما ہندی کا کیا اثر ہوگا

پس اگر فتح ایران سے قبل فارسی کو مورثِ نفاق کہکر حضورؐ نے اسی نفاق اور پھر کلیۃً مدغم ہوجانے کی علت کی بنا پر عربی میں اس کے اختلاط اور اس کے تکلم کو ممنوع ٹھیرایا تھا جیسا کہ ابن عمرؓ کی حدیث سے واضح ہوچکا ہے تو آج بعینہ اسی علۃ کی بناء پر حدیث مذکور سے اردو جیسی اسلامی زبان میں ہندی کا اختلاط یا اس کے کلمات کا عمومی تکلم شرعاً کیوں ممنوع نہ ہوگا؟ اور جبکہ یہی قطع اختلاط معنی حفاظتِ اردو ہے تو اسی حدیث کی رو سے اردو کی حفاظت بھی واجب ٹھیر جاتی ہے۔

نیز اگر سمار۔ عتمہ۔ راعنا۔ سابہ وغیرہ کلمات کا تکلم اور داخل زبان رکھنا سابقہ آیات و احادیث میں محض اسلئے ممنوع قرار دیا گیا کہ ان کی نسبت اغیار کی طرف ہے اور وہ انہی کے مرکوزِ خاص حقائق کے ترجمان ہیں تو اردو کے ذیل میں ہندی کلمات کا تکلم عام یا انھیں داخلِ زبان کرنا جبکہ ان کی نسبت بھی غیر مسلموں کی طرف ہے اور جبکہ وہ انہی کے مخصوص حقائق کے ترجمان ہیں کس طرح جائز ہوگا؟ ۔

نیز جبکہ کسی قوم کے لٹریچر قبول کرنے کا نتیجہ اس قوم کے حالات وخیالات کو عملاً قبول کرنا ہوتا ہے تو ہندی محاورات وعنوانات کو اردو میں قبول کرنے والوں کے لئے ہندی والوں کے عام کیریکٹر سے راضی ہونے اور ان کے شریک عمل ہوجانے کا خطرہ کیا قریب نہ ہوجائیگا؟ اور اگر یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالت شرعاً مذموم اور ممنوع ہے اور ضرور ہے تو یہ قبولِ محاورات کیوں ممنوع و ناجائز نہ ہوگا؟

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو عجمی زبان یعنی فارسی میں قبل از فتح ایران گفتگو کرتے دیکھا تو فرمایا۔

مابال المجوسۃ بعد الحنیفیۃ (اقتضاء الصراط المستقیم) یہ حنیفیت کے بعد مجوسیت کیسی؟

اسی سے واضح ہے کہ ایک لغت کو مستقل قومیت سے تعبیر کیا گیا ہے فارسی لغت کو مجوسیت کہا گیا ہے جو ایرانی ملت کا لقب ہے اور عربی زبان کو حنیفیت کہا گیا ہے جو اسلامی شریعت کا لقب ہے اِس سے نمایاں ہے کہ لغت ایک پوری زندگی ہے جس میں ملت ہونے اور ملت بنانے کی شان موجود ہے پس اس اثرِ فاروقی کی روشنی میں ہندی محاورات و لغات کا اردو میں اضافہ کیا ملت ہندویت کا فروغ اور ملتِ حنیفیت کا اضمحلال نہ ہوگا؟ اور کیا ایک اردو داں مسلمان کو ہندی کے محاورے استعمال کرتے دیکھکر بعینہٖ نہیں کہا جائیگا کہ مابال الھندیۃ بعد الحنیفۃ؟ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ فاروقِ اعظم کے اس ارشاد صریح کے ماتحت ہندی اردو کے اس اختلاط اور اردو کے اس ضیاع و فنا کو شرعاً ناجائز اور ناقابل قبول نہ کہا جائے؟

نیز لغت جیسے اہم قومی شعار میں اغیار سے توافق کرکے قطع نظر اس سے کہ اس توافق کے ذاتی اثرات وہ ہوں گے جو اوپر عرض کیے گئے ایک اہم مفسدہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے اس عظیم شعاری توافق کو سامنے رکھکر اغیار کو دوسرے ہندی شعائر میں بھی ان سے توافق کی طمع پیدا ہوگی اور اس طمع کیلئے بھی لسانی توافق ان کے ہاتھ میں ایک بھاری حجت ہوگا پس اس حجت کو قطع کردیا جانا خود اس کے ذاتی مفاسد کے علاوہ دوسرے مفاسد کی پیش بندی کے لئے بھی ایک شرعی فریضہ ہے چنانچہ تبدیلِ قبلہ کی بحث میں جبکہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ قبلہ بنایا گیا منجملہ اور مصالح کے قرآن نے یہ مصلحت بھی نصاً بیان فرمائی ہے کہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لئلا یکون للناس علیکم حجة — تم مسجد حرام کی طرف رخ کرو (تاکہ لوگوں (اہل کتاب) کے ہاتھ میں تمہارے اوپر کوئی حجت باقی نہ رہے۔

کیونکہ مسلمانوں اور یہود میں اس قبلہ کے توافق و اشتراک سے اہل کتاب دوسرے امور میں بھی مسلمانوں سے توافق کی طمع باندھتے اور اسی قبلہ کے اشتراک کو حجت میں پیش کرتے ہیں۔

اس دلیل سے زبان کے اس توافق کو جو ہندی اردو اختلاط سے پیدا ہوگا اس لئے بھی ممنوع و ناجائز قرار دیا جائے گا کہ کل کو یہی توافق دوسرے امور میں توافق کی طمع کیلئے حجت نہ بن جائے اور پھر مسلمان دوسرے اشتراکات میں بھی غیروں سے کوئی حیل حجت نہ کرسکیں جس کا انجام پوری اسلامی معاشرت کا خلط ملط ہوجانا اور انجام کار ختم ہوجاتا ہے۔

بہرحال ان نصوصِ مذکورہ اور وجوہات بالا کی رو سے اردو کا تحفظ جو آج ایک اسلامی زبان کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا ہندی کے اختلاط سے بچاؤ کیا جانا جو ایک غیر مسلم قوم کی مخصوص زبان ہے قطعاً واجب و لازم ہوگا اور اس کی طرف سے تساہل برتنا فی الحقیقت ایک شرعی واجب میں تساہل کرنا ہوگا

ہمیں اس وقت ان مناقب و مثالب سے بحث نہیں کہ اردو خفیف اور ملکی زبان ہے اور ہندی ثقیل اور سخت۔ بلکہ نقطۂ بحث صرف یہ ہے کہ اردو اسلامیت و عربیت کی حامل ہے اور ہندی نہیں ہے اس لئے قبل اس کے کہ ہندی مفتوح ہو کر اسلامیت کی حامل بنے نہ ہم اردو میں اس کا اختلاط ہی گوارا کرسکتے ہیں اور نہ خود مستقلاً اس کی ترویج و اشاعت ہی کو اپنے حق میں قبول کرسکتے ہیں اور اس لئے مسلمانوں پر ہر غیر اختلاط سے بچاتے ہوئے ہیئت کذائی ہی باقی رکھنا واجب ہوگا۔

ہمیں شکر گذار ہونا چاہئے ان انجمنوں کا جو آج سے بہت پہلے سے اردو کی حفاظت کیلئے کمربستہ ہوئیں اور اپنے مقدور بھر انھوں نے زبان اردو کو نہ صرف باقی ہی رکھا بلکہ اسکو اور زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سل ترقی پر پہنچا دیا۔ جیسے انجمن ترقی اردو جسنے دولت ابدمدت حیدر آباد دکن حرسہا اللہ تعالیٰ کی زیرِ سرپرستی اردو کے تحفظ کی مساعی کو منظم طریق پر قائم کیا اس کی حد بندی کے لئے بہت سے مضبوط بند لگا دیئے۔ اور خصوصاً اعلیحضرت سلطان العلوم میر عثمان علی خاں بہادر فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ کی قدردانی، ادب نوازی اور علم دوستی کی بدولت اردو اور ادبِ اردو کو متمدن زبانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ عن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

مسلمانانِ عالم کی مشترکہ زبان

ہاں مگر اسی کے ساتھ میں اس نقطہ کی طرف بھی توجہات منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ کہ اردو کے بقاء و تحفظ کی یہ شرعی اور سیاسی ضرورت کتنی ہی اہم سہی مگر بہرحال ایک مقامی ضرورت ہے اردو کی حیثیت ہندوستان کیلئے وہی ہے جو ایران کیلئے فارسی کی افغانستان کے لئے پشتو کی، ٹرکی کے لئے ترکی کی، اور دوسرے اسلامی ممالک میں مقامی زبانوں کی ہے۔

اسلئے اردو سے ہندوستان کی تفہیمی ضروریات تو پوری ہو سکتی ہیں لیکن عالم اسلامی کی اجتماعی اور اشتراکی ضروریات کی تکمیل سے یہ زبان بھی اسی طرح عاجز رہ جائیگی جس طرح اوپر کی ذکر کردہ زبانیں اس لئے اردو کی مقامی ضرورت کو شرعی اور سیاسی مانتے ہوئے بھی عالمِ اسلامی کی وحدتِ زبان کا مسئلہ کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اس ضرورت سے کسی حالت میں صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا کہ تمام عالمِ اسلامی کے لئے ایک مشترک اور جامع زبان درکار ہے جو ان کی مقامی زبانوں میں رُوح کی طرح سرایت کئے ہوئے ہو اور مسلمانوں کی ہر ایک زبان پر اس کا پورا پورا قبضہ ہو اور مقامی زبانیں اگر مسلمانوں کی جماعتوں کو مقامی بنا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں تو یہ مشترک زبان ان اوراقِ پریشان کی شیرازہ بندی کا ذریعہ ثابت ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صفت و شان کی ہمہ گیر زبان مسلمانوں کے لئے بجز عربی زبان کے دوسری نہیں ہو سکتی جو اللہ کی زبان ہے، قرآن کی زبان، فرشتوں کی زبان، اہلِ جنت کی زبان، اور مسلمانوں کے آقا و مولیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ران کے مقدس صحابہ کی زبان ہے۔ اسلامی قانون اسی زبان میں ہے۔ اسلامی روایات اور اسلامی ذہنیت اسی کے فقروں میں اس طرح مستور ہے جیسے برگ گل میں بوئے گل۔ اور اس لئے یہ زبان مسلمانوں کے لئے اسلامی نظام عالم کیلئے اور ان کی پوری اجتماعی زندگی کیلئے ایک سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے کہ ان کا قانونِ حیات ہی اسی میں نازل ہوا ہے۔

وانہ لتنزیل من رب العالمین	یہ اللہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ جبرئیل
نزل بہ الروح الامین علی قلبک	امین اس کو لیکر آپ کے قلب پر اس لئے نازل
لتکون من المنذرین بلسان عربی	ہوئے ہیں کہ آپ واضح عربی زبان میں (اللہ کے
مبین ٥	عذاب سے) ڈرانیوالے ہوں۔

اور اسی لئے جس کو عربی بولنے پر قدرت ہے اس کیلئے بلا ضرورت عجمی بولنا شریعت نے پسند نہیں کیا جیسا کہ حدیث ابن عمرؓ اس بارہ میں گذر چکی ہے۔

اسی لئے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک سرکاری فرمان میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا تھا۔

اما بعد تفقھوا فی العربیۃ واعربوا	اما بعد عربی زبان میں سمجھ پیدا کرو اور قرآن کی
القرآن فانہ عربی (وفی روایۃ)	عربیت کو باقی رکھو کہ وہ عربی ہے (دوسری
تعلموا العربیۃ فانھا من دینکم	روایت میں ہے) عربی سیکھو اس لئے کہ وہ
(اقتضاء)	تمہارے دین کا جزو اعظم ہے۔

اس بارہ میں روایاتِ شرعیہ کا ایک عظیم ذخیرہ ہے جس میں عربیت کی اشاعت اور تعلیم عام کی تاکیدات وارد ہوئی ہیں کہ دین اور نظامِ دین کی حقیقی کیفیات کا بقا اسی زبان کے بقا میں مضمر ہے چنانچہ قرنِ اول کے پاکباز گروہ نے زبان کی تفریقوں کے مٹانے اور اختلافِ لغت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرقہ وارانہ ذہنیتوں کی پیداوار کی روک تھام کیلئے دوسری زبان نہ تھی۔ یہ مقدس گروہ جب ایک خدا ایک رسولؐ اور ایک اسلام کی خاطر ساری دنیا کو فتح کرنے کیلئے فاران کے دامنوں سے نکلا تو جس طرح کتاب اللہ ان کے سینوں پر تھی اسی طرح کتاب اللہ کی زبان ان کی جانوں کے ساتھ تھی۔ اگر یہ حضرات صحابہ ملکوں کے فاتح تھے تو عربی زبان زبانوں کی فاتح تھی۔ چنانچہ جب یہ مذہب واخلاق اور تہذیب و تمدن کا گرم رَو قافلہ شمال کی طرف پہنچا تو ایشیائے کوچک کے دامن تک تمام علاقہ کی زبان عربی کر دی۔ پھر جب اس نے مغرب کی طرف کمر ہمت باندھی تو آبنائے جبل الطارق تک مصر، طرابلس، الجزائر، اور مراکو وغیرہ کو زبان کے لحاظ سے عرب بنا دیا۔

ہاں بدقسمتی سے اسلام کے اس قافلہ نے جب عجم کی طرف فاتحانہ اقدام کیا تو عجمی فطرت عربی زبان کے اس بہتے ہوئے دھارے کیلئے بند اور سد راہ ثابت ہوئی اور عراقِ عرب تک ہی اس چشمۂ عربیت کے سوت پہنچنے پائے تھے کہ عجمیت نے درمیان میں اپنی زبان کی دیوار حائل کر دی۔ جو در حقیقت عربی قومیت اور عربی مذاقِ فطرت کے مقابلہ کی ایک اساسی کوشش تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایران، افغانستان، بلوچستان، سندھ، ہندوستان اور چین عربی زبان کے اس چشمۂ شیریں سے سیراب نہ ہو سکے اور اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ ان ممالک کو باوجود گہوارۂ اسلام بنجانے کے اپنے اسلامی ذخیرے بچانے کیلئے بہت سی نامانوس زبانوں کے سمندر میں بڑے بڑے طوفان کا مقابلہ کرنا پڑا اور غیر معمولی زور آزمائیوں کے ساتھ عربیت اور عربی زبان کے بچانے کی مساعی کسی حد تک ہی کامیاب ہو سکیں یعنی عربی زبان ملکی اور سرکاری حیثیت سے نہیں بلکہ صرف ایک علمی اور فنی حیثیت سے بمشکل باقی رہ سکی اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمانوں کی مقامی زبانوں کی پیشرو ہوتی۔ مقامی زبانیں خود اسی پر غالب رہیں جس کا کھلا انجام زبان کی تفریق ہی تک محدود نہ رہا بلکہ لغت و زبان کی طبعی خاصیتوں کے زیر اثر تمدن، تہذیب، کلچر، معاشرت، اور عام طریق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی کو بھی اسلامی حیثیت سے منتشر اور متفرق کر دیا جس سے جذبات واحساسات میں بھی باہمی تفاوت قائم ہو گیا اور وہ عربی یکسانیت عجم کی گھاٹیوں میں آکر اکدم رک گئی۔ ان ممالک اور خصوصاً ہمارے ملک (ہندوستان) میں آکر پھر بھی عربی زبان یا عربیت کی کوئی جھلک نظر آتی ہے تو وہ برگزیدہ علمائے ربانی اور صلحائے وقت کے آثار صالحہ کی برکات ہیں جنھوں نے مدارسِ عربیہ کے سلسلے سے بحیثیت علم وفن عربی زبان کو ہزارہا موانع اور مشکلات کے ہجوم میں قائم رکھا۔ اور دینی تعلیم کے لئے عربی زبان کو لازم کئے رکھا۔ ورنہ اگر اسلامی تعلیم محض مقامی اور ملکی زبانوں میں دیئے جانے کا رواج جگہ پا لیتا جس کی بارہا کوششیں کی گئیں تو آج ان ممالک میں شاید عربی کے نام سے بھی کوئی واقف نہ نکلتا۔

ہندوستان کے طول وعرض میں چند برگزیدہ علمائے ربانی اور مجاہد اہل اللہ نے اسلامی شوکت واقتدار ختم ہو جانے کے بعد عربی زبان اور عربیت کے بقاء وتحفظ کی طرف جو سب سے پہلے مجاہدانہ اقدام کیا وہ آج دارالعلوم دیوبند کی صورت میں ہمارے سامنے ہے جس کے نقشِ قدم پر پھر سینکڑوں قومی مدارس دینیہ قائم ہوئے اور ان کے ذریعہ عربی زبان اگر سرکاری حیثیت اختیار نہ کر سکی تو کم از کم فن کی حیثیت سے قائم رہی۔

غور کیا جائے تو دارالعلوم اور اس کے جیسے مدارس کی بنیاد واشاعت دین وتعلیم مذہب کے ساتھ فی الحقیقت اس عجمیت کے ابھرتے ہوئے سیلاب کیلئے ایک بند ثابت ہوئی جس نے صحیح راہ عربیت کو روشن کر دیا اور عملاً سمجھا دیا کہ مسلمانوں کی عالمگیر قومیت اور مذہبی ضروریات کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے عربی زبان لابد کا درجہ رکھتی ہے۔

لیکن ساتھ ہی ان روشن ضمیر بزرگوں کی دانائی اور دور بینی کا یہ بھی کسقدر عظیم کارنامہ تھا کہ انھوں نے ان مدارس عربیہ میں اگر تعلیم عربی میں رکھی تو تفہیم اردو میں جاری کی تاکہ اگر ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف تمام عالم اسلامی کی اجتماعیت کی روح عربی زبان سے تازہ رہے تو دوسری طرف مقامی اور ملکی ضروریات کے مجبور کن تقاضے اردو سے پورے ہوتے رہیں۔ اور اس طرح عربی کے ساتھ انھوں نے اردو کو نہ صرف زندہ ہی رکھا بلکہ اردو میں عالمگیری پیدا کر کے اُسے ہندوستانی کیا۔ ایک حد تک ایشیائی زبان بنا دیا یعنی اپنے مدارس کے فضلا کے ذریعہ جو تمام ایشیائی ممالک سے جوق درجوق ان درسگاہوں کی طرف اکتساب علم کے لئے آتے ہیں اور اردو کی تفہیم سے عربی علوم حاصل کرتے ہیں اردو زبان کو سارے ہی ایشیائی ممالک سے روشناس کر دیا۔ اور آج ان ممالک میں کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس میں اردو بولنے اور سمجھنے والے نظر نہ پڑتے ہوں۔ اس بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اردو کی بنیادوں کا یہ غیر معمولی استحکام اور اس کی یہ فوق العادت ترویج محض سیاسی میلانات یا ملکی اتار چڑھاؤ کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ اس میں بہت حد تک ان عرض کردہ مذہبی سرگرمیوں اور ان مجاہدین اسلام کی غیر نمائشی مساعی کا حصہ بھی شامل ہے جسے مسٹر گاندھی کا سیاسی خاندان اور مسٹر جناح کی سیاسی نظر پوری طرح محسوس نہیں کر سکتی۔

بہر حال ان بزرگوں کے عملی اسوہ سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ انھوں نے ملک و مقام کے ساتھ عام اجتماعیت و وحدت کو نظر انداز نہیں کیا۔ اور اس لئے عربی کی خدمت اُردو سے اور اردو کی خدمت عربی سے بے فکر نہیں کر سکی مگر یہ ضرور کہا جائیگا کہ عربی ان کا اولین مقصد تھا اور اردو ثانوی درجہ رکھتی تھی اس لئے اردو کی واجبی خدمت و حمایت کے ساتھ جو شرعی اور سیاسی دونوں پہلوؤں سے ضروری ہے عربی کی اساسی خدمت سے بے فکر ہو جانا اپنے عام اجتماعی شیرازہ کو اور زیادہ پراگندہ کر دینا ہے۔

نہیں بلکہ خود ہندوستان کے موجودہ ماحول کے لحاظ سے بھی عربی زبان سے بے التفاتی ایک مہلک ترین غلطی ہوگی کیونکہ آج ملک کے غیر مسلم اردو کو ہندی بنا کر اس میں سنسکرت کی رُوح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھونکنا چاہتے ہیں تو اس کا حقیقی جواب ہمہ تن اردو پر جھک پڑنا نہیں بلکہ اردو کو سامنے رکھ کر عربیت کا احیاء ہے پس اگر وہ ہندی اور سنسکرت محاورات کی بھرتی سے اردو کی حقیقی حیثیت اس طرح ختم کردیں کہ اس میں سے محض سنسکرت بھرتی ہوئی نظر آئے تو اس خاتمہ سے اردو کا یہ خاتمہ زیادہ بہتر ہوگا کہ اس میں عربی محاورات کی زیادہ سے زیادہ بھرتی اس انداز سے ہو کہ اردو کا قالب پھٹ جائے اور خالص عربیت ہی کی نمود باقی رہ جائے۔ آخر آج بھی تو ہمیں اردو اس عربیت و اسلامیت ہی کی خاطر عزیز ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ عربی جوہروں کی نمائش کا ایک آئینہ اور وسیلہ ہے تو پھر اگر مقصود کے حصول پر وسیلہ ختم بھی ہوجائے تو یہ خاتمہ کچھ بھی محلِ تاسف نہ ہونا چاہیے۔ بہرحال چونکہ عربی کی اس اساسی ضرورت کی راہ میں اردو کے اس شغف کے حائل ہوجانے کا خطرہ محتمل تھا اس لئے اس پہلو کی طرف بھی درمیان میں توجہ دلا دیا جانا ضروری خیال کیا گیا ورنہ بحالت موجودہ ہندوستان میں اردو کا بقاء و تحفظ ہمارا شرعی اور سیاسی فریضہ ہے اور ضرورت ہے کہ ہم اردو زبان کی حمایت کے جذبے کو زیادہ سے زیادہ حقیقت کے قریب لے آئیں۔

اردو مشترک زبان ہے

منشاءِ کلام کی یہ نوعیت ملک کی موجودہ حالت کے پیش نظر ہے۔ جبکہ اردو کے مٹانے اور اس کا اسم و رسم بدلنے کی ذمہ دارانہ مساعی جاری ہیں ورنہ اگر گردوپیش کے حالات سے قطع نظر کرکے اصل حقیقت سامنے رکھی جائے تو موجودہ ترقی یافتہ اردو کی حفاظت کا بارِ گراں صرف مسلمانوں ہی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ ان کی طرح ہندوستان کی تمام ہمسایہ اقوام کا فریضہ ہے۔ کیونکہ اردو کو باوجود اس کی عربی آمیزی اور عربیت خیزی کے ملک کی تمام ہمسایہ اقوام عرصہ دراز سے نہ صرف قبول کئے ہوئے ہیں بلکہ استعمال کررہی ہیں۔ بہت ہی مخصوص کلمات و محاورات چھوڑ کر اردو کے تمام جملے اور تعبیرات خواہ وہ عربی ہوں یا غیر عربی خود ان اقوام کا تلفظ بن چکے ہیں۔ اس لئے اردو میں اگر ایک حیثیت اسلامیت کی تھی تو دوسری حیثیت اس اشتراکِ تکلم سے ہندوستان کی مشترک زبان ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی یہی ہے جیسا کہ وہ اپنی ابتدا ہی سے اقوام کے اشتراک سے پیدا بھی ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں ایک صوبہ کی زبان دوسرے صوبہ میں نہیں سمجھی جاتی مگر اردو ہر صوبہ میں سمجھی جاتی ہے۔ ایک صوبہ کا خطیب یا مقرر کسی صوبہ میں پہنچکر اپنے مافی الضمیر کو خود اپنے صوبہ کی زبان میں خواہ نہ سمجھا سکے مگر اردو میں بلا کسی مقامی ترجمان کے ضرور سمجھا جا سکتا ہے اور کسی صوبہ کا فرد بھی اردو سنکر یہ نہیں کہتا کہ یہ اس کی زبان استعمال نہیں ہو رہی ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں نے چونکہ ہر قوم سے بڑھکر اردو کی غیر معمولی خدمت کی اور اسے معراج ترقی پر پہنچایا اس لئے اس میں عربیت کا عنصر کچھ زیادہ نمایاں ہو گیا اور پھر مسلمانوں ہی نے چونکہ اپنی مخصوص علمی ذہنیت اور روایتی مذاقِ علمی کے ماتحت اس میں اپنے علوم منتقل کئے تو اس میں اسلامیت کا عنصر بھی نمایاں ہو گیا لیکن نہ کسی قوم نے ان کی اس معقول جدوجہد اور ادبی ترقی کو بری نگاہ سے دیکھا نہ اردو کی اس بڑھتی ہوئی لطافت کے سبب اس کا استعمال ترک کیا۔ اور نہ ان کے دلوں میں یہ وسوسے ہی پیدا ہوئے کہ اس عربی آمیزش سے اب یہ زبان ہماری یا ہندوستان کی نہیں رہی۔ کیونکہ جہاں اس میں عربیت کا عنصر موجود تھا دوسری زبانوں کے الفاظ بھی بکثرت اس میں مستعمل ہو رہے تھے۔ اور اس کی مشترک حیثیت کسی عنصر کے غلبہ و مغلوبیت سے کبھی ختم شدہ اور پامال نہیں سمجھی گئی۔ اس لئے موجودہ اردو کو اگر مسلمان اسلئے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں ان کا بہت سا سرمایہ لگا ہوا ہے تو ہمسایہ اقوام کو اس کی حفاظت اس لئے کرنی چاہیے کہ اس میں ان کا قول و عمل بھی شامل ہے اور کم و بیش سرمایہ بھی لگا ہوا ہے اور اس لئے نفع کے سب شریک ہیں۔ اندریں صورت کون کہہ سکتا ہے کہ اس اشتراک متاع کی حفاظت محض رب المال ہی کے ذمہ فرض ہے اور عامل کا اس میں ۔ ۔ ۔ کوئی بھی حصہ نہیں؟ اگر کوئی عامل اس متاع کو محض اس لئے گھونٹنے کی کوشش کرے کہ اس میں زیادہ پونجی دوسرے کی لگی ہوئی ہے تو کیا شرکت منافع کو چھوڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا نقصان دوسرے ہی کو پہنچکر رہ جائے گا۔

اردو کی حفاظت ہندو اور مسلمان سب کا فرض ہے

اگر آج یورپ کی تمام تمدنی ایجادات جنھیں ہندوستانی اقوام نے بلا تفریق مذہب و ملت نافع سمجھکر قبول کرلیا ہے یہ کہکر مٹایا جانے لگے کہ ان میں تو یورپینوں کا دماغی اور مادی سرمایہ لگا ہوا ہے تو کیا اس سے محض یورپ ہی کا نقصان ہوکر رہ جائیگا یا ان اقوام کی تمدنی ترقیات کو بھی کافی ٹھیس لگے گی جنھوں نے ان چیزوں کو بطوع و رغبت قبول کرکے اپنا بھی مالی سرمایہ ان پر صرف کیا اور اپنے تمدن کا قوام بنا کر انھیں اپنے بازاروں اور درباروں کی زینت بنالیا۔ پس یہ صحیح کہ خصوصی طور پر مسلمانوں نے اپنا علمی اور دماغی سرمایہ لگا کر اردو کو ایک ایسی حد پر پہنچایا کہ وہ تمام ہندوستانی اقوام کی محفلوں اور انجمنوں کی زینت بن گئی۔ لیکن اس کے حسن و جمال کو محض اس وجہ سے پامال کرنا کہ وہ فلاں قوم کی پروردہ یا رہین منت ہے۔ نہ کچھ زبان ہی کی خدمت ہے نہ خود اپنی ہی کوئی خدمت ہے بلکہ سرمایہ کی خوبی مسلّم ہوجانے کے باوجود کسی سرمایہ دار کے علی الرغم اُسے مٹانے کی کوشش کرنا کیا عصبیت اور حمیتِ جاہلیت اور جوشِ رقابت کا پردہ فاش کرنا نہیں ہے؟ اور کیا دنیا کی کوئی معقول پسند قوم اس جذبہ کی تائید و تحسین کریگی؟ اس لئے میرے خیال میں اردو کی حفاظت کا ذمہ مسلمانوں کی طرح ہندوؤں اور ہندوستان کی تمام ہی اقوام پر مساویانہ طریق پر عائد ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے تمام معاملات چونکہ مذہبی اصول کے تحت میں ہیں اس لئے ان پر اس زبان کا تحفظ شرعی حیثیت سے واجب ٹھیرتا ہے اور دوسری اقوام میں عموماً تمدنی اور قومی مصالح کو سامنے رکھا گیا ہے اسلئے ان پر یہ تحفظ سیاسۃً واجب ہے۔

ہاں اگر مسلمانوں کی طرف سے یہ تحریک اٹھائی جاتی کہ اردو میں سے تمام وہ الفاظ نکال دیئے جائیں جو ہندی، انگریزی، ترکی، فارسی اور دوسری زبانوں کے شامل ہیں اور ان کی جگہ صرف عربی الفاظ بھر دیئے جائیں یا اس زبان کا نام اردو سے کسی عربی لغت میں ڈھال دیا جائے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بھی یہ مصلحت ظاہر کرکے کہ شمالی ہند کے خطے اسلامی دولتوں سے قریب ہونے اور اپنے اندر عربیت کی روح رکھنے کی وجہ سے اس نئی اردو کو زیادہ سہولت سے استعمال کریں گے تو اس صورت میں ہندوؤں کو حق تھا کہ وہ جنوبی ہند کی رعایت سے اردو کو ہندی بنانے یا اس میں بکثرت سنسکرت الفاظ بھر دیئے جانے کی تحریک مسٹر سمپورنانند وزیر تعلیم یوپی کے قلم وزبان سے کرلتے اور موجودہ اردو کا رنگ روپ بدلنے کی پوری سعی کرتے لیکن مسلمانوں نے آجتک نہ ایسی تحریک اٹھائی اور نہ وہ اسے بحالت موجودہ پسند ہی کرتے ہیں کیونکہ اس صورت حال کے بعد اردو خالص عربیت میں تبدیل ہوجاتی ہے جس کا سمجھنا سمجھانا دوسری قوموں ہی کیلئے نہیں خود عامۂ مسلمین کیلئے بھی دشوار اور تکلفِ محض ہوجائیگا۔ چنانچہ آج ہندوؤں کی طرف سے اردو میں جن سنسکرت الفاظ کا مواد بھرا جارہا ہے وہ مسلمانوں ہی کیلئے نہیں عام ہندوؤں کیلئے بھی اجنبی ہے۔ ہاں جو الفاظ بے تکلف زبان زد ہوکر شاملِ لغت ہوجائیں وہ کسی زبان کے ہوں کسی قوم پر شاق نہیں گذرتے لیکن جو الفاظ ٹھونس ٹھونس کر بھرتی کئے جائیں وہ بھرتی کرنیوالوں پر بھی گراں ہوتے ہیں گو کسی مخفی غرض کے ماتحت اس گرانی کو سبکساری ظاہر کیا جائے مسلمانوں نے زبان کے مسئلہ میں اس پہلو کی کافی رعایت کی ہے کہ اردو میں نہ تو بتکلف عربی الفاظ کی بھرتی کی جائے اور نہ بتکلف دوسری زبانوں کے داخل شدہ الفاظ اس سے خارج کئے جائیں۔ گویا جن الفاظ کا داخلہ یا خارجہ بلا کسی اہتمام کے اقوام کی عام ذہنی رو کے ماتحت خود بخود ہوگیا اسی کو اصل زبان کی روح سمجھکر قبول کرلیا اور اس طرح باقی رکھا کہ نہ اس میں کسی تحریک کا دخل تھا نہ کسی قومی سلسلہ جنبانی کا۔ بخلاف ہندوؤں کے کہ ان کی طرف سے عربی دینی الفاظ کا اخراج اور سنسکرت الفاظ کا داخلہ اتفاقی طور پر نہیں بلکہ ایک خالص قومی تحریک اور مخصوص ملی نظام کے ماتحت ذمہ دارانہ طریق پر عمل میں لایا جارہا ہے۔

مسلمان جس حیثیت سے موجودہ اردو کی حفاظت ضروری خیال کررہے ہیں اس میں رقابت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے منافع عامہ کی رعایت اور مقاصد مشترکہ کی اہمیت کارفرما ہے وہ دیکھتے ہیں کہ موجودہ اردو کے بچاؤ میں جو نفع ان کا ہے وہی بجنسہ دوسری اقوام کا بھی ہے۔ بس اگر اردو کے تحفظ کیلئے ان مشترک منافع کا بقاء و تحفظ کوئی معقول وجہ ہوسکتا ہے تو پھر حفاظت اردو کا ذمہ تنہا مسلمانوں ہی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ ان سے زیادہ دوسری اقوام کے مجموعہ پر بھی آتا ہے اور ان کا فرض ہوجاتا ہے کہ جس طرح مسلمان اس داعیۂ تحفظ میں دوسری اقوام کے مفاد سے بے تعلق نہیں ہیں اسی طرح ان اقوام کو مسلمانوں کے بھی اسی قسم کے منافع سے بے پروانہ ہونا چاہئے۔ اور انھیں غور کرنا چاہئے کہ اگر زبان پوری عملی زندگی کا ایک قولی رُخ ہے تو مشترک عملی زندگی کا قولی پہلو بھی مشترک ہونا ناگزیر ہوگا جیسا کہ غیر مشترک عملی زندگی کا قولی پہلو بھی غیر مشترک ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہندو مسلمان جب اس اردو کو اپنی خالص مذہبی اور خانگی زندگی میں استعمال کرتے ہیں تو اس وقت اس کے محاورات مخصوص اور ان کے خالص اپنے ہوتے ہیں اور جب وہ ملک کی مشترک زندگی مشترک پلیٹ فارم اور مشترک گفتگوؤں میں ایک دوسرے کے سامنے استعمال کرتے ہیں تو اردو کا وہی مشترک پہلو سامنے رکھتے ہیں جو عموماً تحریروں اور تقریروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اردو میں لغت عام ہونے کی وجہ سے یہ دونوں صلاحیتیں موجود ہیں کہ وہ مشترک بھی ہے اور ہر قوم کی خالص بھی ہے خالص نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس میں ہر قوم کا لغت شامل نہ ہو اور مشترک نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے لغات ایک دوسرے کو تسلیم نہ ہوں۔ پھر اردو لغت زبانوں پر آکر اگر کسی انفرادی زندگی میں بولی جاتی ہے تو کتنے ہی مخصوص محاورات کے ساتھ بولی جائے پھر بھی وہ اردو ہی رہتی ہے عربی یا سنسکرت نہیں بن جاتی اور اگر ایسے ہی وہ کسی مشترک پلیٹ فارم یا مخلوط معاملات میں بولی جاتی ہے تو کتنے ہی عمومی الفاظ میں بولی جائے پھر بھی وہ اردو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی رہتی ہے اسلئے یہ باور کرلیا جانا کچھ مشکل نہیں کہ موجودہ اردو ہی ان قوموں کی شخصی اور اجتماعی ساری ہی ضروریات کو واحد وہی رہ کر پورا کر رہی ہے۔ پس جبکہ وہ ساری اقوام کی ترجمانی کی کفیل ہے اور اس کفالت میں آجتک کوئی رخنہ بھی نمایاں نہیں ہوا تو پھر اسے بدلدینے اور وہ بھی مسخ کرکے بدلڈالنے کا آخر وہ کونسا داعیہ ہے جسے معقولیت کے ساتھ سمجھایا جاسکیگا۔ (باقی آئندہ)

مسلمانوں کا روشن مستقبل

مصنفہ:- مولانا سید طفیل احمد صاحب

(صرف مکتبہ جامعہ مہیا کر سکتا ہے)

یہ مسلمانوں کی گذشتہ تین سو سال کی مذہبی۔ اقتصادی۔ تعلیمی و سیاسی تاریخ ہے۔ مصنف نے اول میں بنیادی حقوق کو تفصیل سے بیان کرکے ہر دور کی جانچ انہی بنیادی حقوق کے ذریعہ کی ہے۔ جس سے زمانہ کی مالی۔ تعلیمی اور سیاسی حالت واضح ہوگئی ہے یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں مصنف نے مسلمان کے ہر شعبہ زندگی پر ایسا مواد جمع کیا ہے کہ اُسے پیش نظر رکھکر ہماری یونیورسٹیوں کے پروفیسر اور قوم کے نوجوان مزید تحقیقات کر سکتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے مفید معلومات فراہم کر سکتے ہیں۔ مصنف کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی بدحالی نہ سلطنت کے چھن جانے سے ہے اور نہ ۱۸۵۸ء کے ہنگامہ سے بلکہ جدید تعلیم کے دور نے کچھ ایسے اسباب پیدا کئے ہیں کہ جن کا اثر مسلمانوں پر افسردگی اور سرد مہری کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور اُن کے قوائے عمل مضمحل ہوگئے۔ اس قسم کے مایوس کن خیالات کو مصنف نے دور کیا ہے اور بتایا ہے کہ مسلمان ترقی کی دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں رہ سکتے۔

قیمت عہ/۸

مکتبہ جامعہ قرولباغ نئی دہلی

شاخ اور ایجنسیاں۔ ۱۔ مکتبہ جامعہ جامع مسجد دہلی

۲۔ مکتبہ جامعہ امین آباد لکھنؤ . . . ۳۔ مکتبہ جامعہ۔ پرنس بلڈنگ بمبئی ۳

۴۔ کتب خانہ عابد شاپ حیدرآباد دکن . . ۵۔ سرحد بک ایجنسی بازار قصہ خوانی۔ پشاور

© rasailojaraid.com